

## نظر ثانی

اس، ۲۷، اکتوبر کو العلاب اکتوبر کو پورے دس برس ہوتے۔ اس تاریخی دن کی سارے مکتبیں یاد مانی گئیں، اس موقع پر صدر ملکت نے جو تقریر فرمائی، اس میں جہاں قومی زندگی کے ہرام پسلوپر آپ نے تبصرہ کی، وہاں اس ملکت ہیں اسلام کو اٹھوڑا ایک نظریہ حیات اور ایک حرکت قوت کے جو کردار ادا کرنا ہے، اس پر بھی صدر محترم نے روشنی ڈالی۔ اور اس کے امکانات فکر و عمل کی وضاحت فرمائی۔

اس بھی کوئی نکل نہیں کہ اس برصغیر میں مسلمانوں کی ایک الگ ملکت کے قیام کا نقصوٰ، اس نقصوٰ کو عملی جادہ پہنانے کا جذبہ اور اس جذبے میں ایک زبردست عوامی طاقت کا ہے سب اسلام کی دینی تھی، اس سے لازمی طور پر اسلام اس ملکت کا نظریہ حیات (آئینہ یاوجی) بھی ہے، اور اس کے عوام کی سب سے بڑی محک اور موثر قوت بھی، اب نظریہ حیات متنا معین، واضح اور اعلیٰ انسانی و اندیشی قدر و کام اسی تدریس کی اپیل عموی ہو گی اور اس کے مانند والوں پر اس کلذیارہ سے زیارہ ہم آپنگ، بیکاں اور عام پستی سے بندی کی طرف لے جانے والی زملہ ہو گا۔ پہلے شکر اسلام ہماری اس ملکت کا نظریہ حیات ہے، نیز اسلام ہی ہمارے حواس میں اس باطنی قوت کو حرکت میں لاسکتا ہے، جو ضرورت پڑنے پر سمجھ رات کر کے دکھا سکتی ہے، یہ سب صحیح، لیکن آج ضرورت اس کی ہے کہ اسلام کا بھیث اس کے پوری ملکت کے ایک نظریہ حیات کے، ایک واضح و معین نقشہ زیارہ سے زیارہ لوگوں کے ذہن میں ہو کر اس کروہ اپنے سائنس کھیں اور اس سے فکری وہنمائی اور عملی قوت حاصل کریں۔

---

صدر ملکت نے اپنی تاریخی ملکت کے جلد سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور ترقیاتی مسائل کا ذکر کرنے کے بعد آخر میں یہ فرمایا کہ ان سب مسائل سے عمدہ برآ ہوتے ہوئے ہیں اپنی آئینہ یاوجی، اسلام سے رہائی

مدد اور طاقت حاصل کرنی چاہئے۔ میں آپ سے اپنی کرتا ہوں کہ آپ اس پسلوں کو نظر انداز نہ کریں۔ یہ ایک اہم اور بیناری دی پہلو ہے۔ ہماری اس وقت جو منفرد قومی و ثقافتی شخصیت ہے، تو یہ سب اسلام ہی کی بدولت ہے۔ ہماری سوچ بچارا درہ سارے طور طریقے سب اسلام کے بنیادی اصولوں سے متاثر ہوتے ہیں۔

صدر مملکت نے اسلام کے ان بنیادی اصولوں کی نشان رتبی ان الفاظ میں کی گئی ہے:- (۱) توحید۔ اللہ تعالیٰ کی وحدائیت۔ (۲) انسانی مساوات (۳) عدل اجتماعی۔

اس سلسلے میں موصوف نے فرمایا کہ اسلام کے بنیادی اصول ان اعلیٰ و پائیار سچائیوں کے حامل ہیں جنہوں نے ایک زمانے میں معاشرے کی پوری کی پوری کا یا پیٹ ری اور انسانی تہذیب کو ایک نئے رخ پر ڈال دیا۔ یقیناً ان بنیادی اصولوں نے انسابنت پر ایک زبردست اثر ڈالا۔ وہ اس لئے کہ انہوں نے انسان کو اپنے وجود کا نیا شعور بخشنا۔ اور ان اصولوں کی بدولت اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں انسان کی ایک منفرد اور برتر جیشیت کا اثبات عمل ہیں آیا۔

صدر مملکت نے اسلام کے مذکورہ بالبنیادی اصولوں کی اثر آفرینی اور انقلاب انگریزی کے بارے میں جو کچھ فرمایا، انسانی تاریخ کے اور اوقات میں یہ سب کچھ ایک ناقابلِ انکار ٹھوس حقیقت کی شکل میں موجود ہے۔ چھٹی صدی عیسوی میں جب اسلام کا ظہور ہوا، اس وقت دنیا اور اس میں بسنے والی قوموں کی کیا حالت تھی، اور اسلام کے ان اصولوں کی نشوونش اشتہارت کی نتیجے میں جب مسلمانوں کی عالمی تہذیب وجود میں آئی، اور اسے فروغ حاصل ہوا، تو دنیا بحیثیتِ مجھوں کی رہیں پر چلنے کے قابل ہوئی، اور کس طرح انسانیت نے نیا جنم لیا۔ اسلام سے پہلے اور اسلام سے بعد کی ان دونوں حالتوں کا مقابلہ کر کے اسلام کے ان اصولوں کی ایجادی توت کا بڑی انسانی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

جزیرہ عرب جہاں قبلہ پرستی اپنی انتہا پر تھی۔ یہاں تک کہ ہر قبیلہ صرف اپنے بیٹوں کو مانتے پر مصروف تھا۔ ایران شہنشاہیت جہاں پس ماندہ طبقے انسان نہ سمجھنے جاتے تھے۔ اور اعلیٰ طبقے تمام نعمتوں پر قابض تھے۔ بازنطینی سلطنت جہاں ایک عیسائی فرقہ دوسرے عیسائی فرقے کو ظلم و تشدد کا نشانہ بنارہا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ علم و معرفت کے وہ سرچشمے جو کبھی یونان اور اسکندریہ سے پھوٹے تھے، خشک ہو رہے تھے۔ انسانیت باہم متنما صنم گرہوں میں ہٹی ہوئی تھی۔ نہ کہیں ایک خدا کا واضح نصویر تھا۔ اور نہ ایک انسانیت کا۔ نہ کہیں عالمی تہذیب کا انسان مٹا تھا۔ اور رہعلوم و فنون کی سرپستی تھی۔ اشرف المخلوقات انسان اور جو کچھ اس نے کچھی صدیوں میں تخلیق کیا تھا۔ یہ سب بڑی تیزی سے زوال اور انخلال کی طرف جامہ ملتا۔ اور اگر دوسری شب دروز رہتے تو کچھ بعید نہ تھا کہ گزیا

رجعت قہقہی کر کے وہیں جا پہنچتی تھیں سے وہ بڑی جان جو لوگوں سے ارتقا کی منزلیں طے کر کے آئے بڑھی تھیں۔ اسلام نے آگر اس حرکتِ جمعی کو روکا۔ اور اس کی رہنمائی میں پھر کاروان انسانیت آگے بڑھنے کے قابل ہوا۔ اور دیا ایک خدا، ایک انسانیت اور سب کے لئے ایک سماں صفات، کے اصولوں کے تحت ایک عالمی دین، ایک عالمی تہذیب اور ایک عالمی انسان سے بہرہ درہ بھوٹی اور مدینتِ اسلام کے اندر سب نلیں، سب قومیں، سب تہذیبیں اور اس وقت تک کے سب علم و فنون جمیع ہوئے۔

اسلام کا یہ سب سے بڑا کارنامہ تھا۔ اور اسے ممکن بنانے میں اسلام کے یہ تین اصول ۔۔۔ توحید، انسان مساوات اور عدل اجتماعی ۔۔۔ موثر ترین قوت تھے۔ ان اصولوں نے صدر محکملت کے الفاظ میں ”ان لوگوں کے خیال و جذبات میں جن کو اسلام کی یہ دعوت بڑے صاف و واضح اسلوب اور خیر میں اندرازیں دی گئی تھیں، ایک حرکت پیدا کر دی۔“ چنانچہ اسی کا حاصل تاریخ اسلام کا وہ زریں دو رہے، جس پر ساری انسانیت بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔

یہ تو سب کچھ ماضی میں ہوا، لیکن آج پوری ملتِ اسلامیہ ان معنوی بلندیوں اور عادی عظمت و شان سے کیوں محروم ہے، جو ماضی میں اُس کا اور صرف اُس کا حصہ تھا۔ صدر محترم نے اپنی تقریبیں اس کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے۔ آپ نے فرمایا:-

”مسلم معاشرہ میں بچاڑاں لئے پیدا ہوا کہ وہ اسلام کے ان بیانیوں اصولوں سے غافل ہو گیا۔ یاد و سرے الفاظ میں ان کا جو اصل مقصود ہے، اسے عملًا کا عدم کر دیا گیا۔ ان اصولوں سے عدم و اتفاقیت اور ان کی غلط تعبیرات اور غلط تطبیق کی وجہ سے مسلمان اپنے اصل راستے سے ہٹ گئے، جس کا تجیازہ انہیں سمجھنا پڑا۔ اور اب تک وہ سمجھگت رہے ہیں۔“

صدر محترم کے الفاظ میں:- ”ان اصولوں پر جنپنے کے بجائے ہم نے اپنے آپ کو ایسا بننے دیا کہ ہم طرح طرح کی بے رُوح مذہبی رسموں، بے سروپا قصتوں کیا ہیں اور توہات میں کھڑے کر رہ گئے۔ ہم نے اپنی عقل سلیم اور اپنی عنور و نکر کرنے والی صلاحیتوں کو خیر بار کہہ دیا۔ اب اگر ہمیں ترقی کرنا اور آگے بڑھنا ہے تو اس کا تعاضا ہے کہ ہم اسلام کے ان بیانیوں اصولوں کو ان کی جو اصلیٰ حقیقی جیشیت ہے، وہ رو بارہ دیں۔ اسلام کو آج کے جدید معاشرے کے سامنے انہیں اصطلاحات اور زبان میں پیش کرنا ہو گا، جو سمجھی جاسکے اور جس میں لوگوں کے لئے اپنی ہو۔“

صدر مملکت نے اپنی اس تاریخی تقریر کو ان الفاظ پر ختم کیا۔

اسلام کا مقصد انسانیت کو اس کی ترقی میں مدد دینا ہے۔ اور اہنی معنوں میں ہمیں

اسلام کو ترقی کا ذریعہ بنانا چاہئے۔

اسلام کے ان تین اصولوں پر جنہیں اسلام نے تاریخ انسانی میں پہلی بار اس قدر واضح و معین اور عملی شکل میں پیش کیا، زور دینے کے معنی ہمیں کم تاریخ کی ان صدیوں میں ہمارے ہاں جو دینی و علمی و رشتہ اور اخلاقی و روحاںی روایات کا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے، اس کی اہمیت و افادیت سے انکار کیا جا رہا ہے۔ بے شک ہم اس سارے ورشے اور ذخیرہ کو پیائیں گے۔ اس کا بغور اور بالاستیغاب مطالعہ کریں گے، اس کی مدرسے اپنے موجودہ اور آئندہ مسائل کے لئے حل تلاش کریں گے۔ اسے اپنی قابل فخر قومی و ملی میانع سمجھیں گے، کیونکہ ملی زندگی کے تسلی کے لئے یہ ضروری ہے۔ اور اس لحاظ سے ایک ملت کے لئے جتنا ہم اس کا حال مستقبل ہوتا ہے، اسی قدر اس کا ماضی بھی ہوتا ہے۔

یہ سب درست لیکن آج ضرورت اس کی ہے کہ ہم اپنے اس دینی و علمی ورشے اور اخلاقی و روحاںی ذخیرے کو ان بیانی اصولوں کے فوکس (FOCUS) میں دیکھیں، جن کی طرف صدر مملکت نے اپنی تقریر میں توجہ رکھی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب تک ہم آج ایسا ہمیں کرتے ہیں، اسلام سے جو اس مملکت کی آئیڈی یا وجہ ہے، آگے بڑھنا اور ترقی کرنا تو رکنا، خود موجودہ قدموں پر کھڑا رہنے کے لئے بھی نہ رہتا ہی وہ دل کئے گی اور نہ خاتا۔

اہنی روزوں ہمیں مسئلہ صنیط ولادت پر دہلی میں مطبوعہ شریہ ایک رسالہ موصول ہوا ہے۔ یہ دراصل ایک استفتاء ہے، جس کا مفصل جواب تمولانا شاہ ابوالحسن زید صاحب فاروقی امام عیدگاہ دہلی و سجادہ نشین خانقاہ حضرت مزار مظہر جان چنان رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے۔ اور اس جواب پر مختصر تبصرے دہلی کے پانچ اور علماء کے ہیں۔  
ناشر نے شروع میں لکھا ہے کہ امام جامع مسجد دہلی جناب سید عبد اللہ بخاری صنیط ولادت اور خاندانی منصوبہ بندی کی حمایت میں ایک بیان کی وجہ سے مذکوب حرام اور فاسق مصلن قرار دیئے گئے۔ کوئی مہینے تک ان کے خلاف پوسٹروں کے ذریعہ ہنگامہ گرم رہا چنانچہ اس وجہ سے ناشر کو ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ صنیط ولادت کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں علماء کی طرف رجوع کرے۔

مولانا شاہ ابوالحسن زید صاحب کا جواب ۲۴ صفحوں پر مشتمل ہے۔ وہ شروع یوں ہوتا ہے: ”فیملی بلانگ

یا خاندانی منصوبہ بندی کی اسکیم کا تعلق تک کی سیاست اور مصلحت سے ہے۔ اس زمانے میں اس کو فرمائی حکومت کی اصلاحات کا ایک اہم جزو خیال کیا جاتا ہے اور سیکھ وجہ ہے کہ آج تک اصطلاح میں اس مسئلہ کو معیشت اور معاشرت میں نہایاں مقام حاصل ہے۔ اس سے کچھ آگے موصوف لکھتے ہیں: "ضبط تولید کے سلسلہ میں آج تک جن صورتوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں سے بعض کا ذکر غلط کی تباہیں ہیں موجود ہے اور بعض کے متعلق اس دُور کے علماء کرام نے تحقیقات کی ہیں۔"

اس کے بعد انہوں نے پہلے ضبط ولادت کی "عارضی صورتوں" کا ذکر کیا ہے اور پھر اس کی "دائمی صورت" یعنی "نس بندی" کا موصوف لکھتے ہیں کہ "عارضی صورتوں کا اختیار کرنا بلا کسی کراہت کے جائز ہے....." اور جیسا تک ضبط ولادت کی دائمی صورت کا تعلق ہے وہ بقول ان کے "مرد کے واسطے نس بندی اور عورت کے واسطے عمل جراحی ہے۔ یہ تینی شکل اور صورت ہے۔ کتاب و سنت اور رائد کے اقوال میں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر نہیں ہے۔ اس دُور کے علماء اس مسئلہ کو کسی ایسے مسئلہ پر قیاس کریں گے جس کا حکم تحریکت میں موجود ہو....." ।

مولانا ابو الحسن صاحب نے نس بندی پر اختصار، اور "تغیر طرق اللہ" کا حکم لکھا گیا ہے، اس کی تردید کی ہے اور لکھا ہے: "ان وجوہات کی بناء پر ضرورت کی وجہ سے نس بندی کرانے کو شیطان کے ورگانے ہوشے کا ہیں داخل نہیں کیا جاسکتا۔ یہ شخص اپنے کو گناہ سے بچانے کی کوشش کر رہا ہے، جو زائد اولاد ہو جانے کی صورت میں اس سے سرزد ہو جانے کا لکھڑا ہے....." لیکن اس کے ساتھ ہی موصوف نے یہ صراحت کر دی ہے کہ "یہ اسی صورت میں ہے تو کوئی پہنچوشنی سے نس بندی یا عمل جراحی کر لے۔ اس پہ کوئی جبرا اور زبردستی نہ کرے ظلم کر کر کوئی اس کی نس بندی نہ کر لے۔"

صاحب موصوف نے ضبط ولادت پر جو اخراجات کئے جاتے ہیں ان کا بھی جواب دیا ہے۔ اور اس ضمن میں ائمہ کرام کے اقوال و فتاویٰ پیش کئے ہیں اور اپنی بحث کو اس "حروف آخر" پر ختم کیا ہے:-

"علماء کرام کے اقوال بیان کر دیئے گئے۔ اصلاحات آراء موجود ہے۔ ایسی صورت میں علماء کرام کسی قول کی تائید یا تردید کر سکتے ہیں بلکہ جس کی نظر میں جو قول درست ہے، اس کا اظہار کرے۔ البتہ کسی قول کے قابل یا اس کی تائید کرنے والے یا اس پر عمل کرنے والے کو فاسق نہیں کہہ سکتے۔"

---

مولانا سید محمد میاں صاحب نے یوں تو خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک کو جو حکومتیں چلا رہی ہیں۔ اسلامی

متقدرات کے صفات بتایا ہے، لیکن حضرت الحج سولانا زید ابوالحسن فاروقی مذکورہ العالی "کاشکر" اداکی ہے کہ انھوں نے شخص اور شخص سے کتب فقہ کی بیان ہیو کر کے وہ صورتیں بیان فرمائی ہیں، جن ہیں ایک مسلمان منعِ حمل کی صورت پر مستحب کر سکتا ہے، پھر منعِ حمل کے طریقوں کی تفصیل کر کے بعض صورتوں کے جوانب اور عدم جواز کا حکم بھی بیان کر دیا ہے۔ سولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی کی رائے یہ ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کا مسئلہ ایک خالص سماجی اور معاشری مسئلہ ہے، اور بہترین تھا کہ وہ اپنی مددوں میں دھننا اور اس پر اسی نقطہ نظر سے غور کیا جائے۔ لیکن یقیناً ان کے "ہمارا مک روایتی الحافظ سے ایک مذہبی مذکوٰ ہے۔ یہاں عام طور پر سماجی اور معاشرتی مسائل کو بھی مذہب کے پہنچانے سے ناضج کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ پر مذہب کی چھاپ غالب آگئی"۔ اس کے بعد موصوف نے ایک ایسے مک بیس جہاں آبادی بے تحفظ بڑھ رہی ہو، خاندانی منصوبہ بندی کو ایک صحت مند اور تندروست و نزاکتی کے لئے پڑھکی ہڈی بتایا۔ سولانا عثمانی نے سولانا ابوالحسن زید کے جواب کا خیر مقدم کرنے میں بھروسے کیا تھا کہ پوری تحریر میں مالمانہ شان جھلک رہی ہے، جس میں انتقالِ تکریر و نظر کا سہنترین عنصر پیش کیا گیا ہے:

سولانا ابوالحسن زید صاحب کے رسالے پر دہلی کے تین اور محترم علماء کی آراء بھی ثابت ہیں۔ سولانا سجاد نسبین صدر مدرسہ مدرسہ عالیہ فتحپوری کھنثی ہیں کہ یہ نے اس مسئلے پر قدم اور جدید علماء کی تابیہ پڑھی ہیں، اور سولانا ابوالحسن زید صاحب کی تحریر سے حرث بحوث تختی ہوں۔ مدرسہ عالیہ فتحپوری کے مفتق مولانا سید عبدالدائم صاحب الجبلی نے اس مسئلہ پر جو کچھ کہا ہے، وہ یہاں سارے کامساں نقل کیا جاتا ہے۔

"روایات صحبو سے عزل کا جواز ثابت ہے مابین تینیں کی ذرا المعاویہ اور امام عزالی کی احیاء علوم الدین کے باب آواب المعاشرہ کامطال العاس توں کے ثبوت کے طور پر ہے جو حضرت صاحب الفضیلہ سولانا ابوالحسن صاحب نے عزل، اشباء عزل، نس بندی اور تعقیم پر نقیبی نقطہ نظر سے سیر حاصل بھٹک کر ہے، یہ بھی حضرت محقق کی مشہور رسالہ تفتح سے پورے طور پر تحقیق ہوں، عزل اخذ افریقیہ (ہلاکت زوج کا در) اور لا دلی تغییم و تربیت نہ ہونے کا اندیشہ، عذاب کی کاخطہ، معاشرہ کی خرابی کا خوف وغیرہ کے زیر اشارہ ہے، زوجین کسی ضریعی وجہ کے تحت اگر تہیث اولاد سے محروم ہئے کی کو روشنی کریں اور عزل یا اشباء عزل کی طرح کوئی تغییر کرنے رہیں، یا محقق اثر کی جماعت کر دیں تو عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں، نس بندی افشاء سیاست نہیں، اختصار نہیں، قتل نہیں، تغییل نہیں کیا جائے اور درامی کر شکر ہے، آپ اس کو ارادی تعقیم کہہ سکتے ہیں جو ہر رضائے فرمائیں وہ تو نہیں کے تحت جائز ہے۔ والعلم عند اللہ"

نائب صدر مدرسہ مدرسہ عالیہ فتحپوری مولانا عبد السلام نے ہمیں "حضرت شاہ ابوالحسن زید صاحب ناظمہ امام

عبدگاہِ ربی و سجادہ نشین خانقاہ حضرت میرزا مسٹر جان جانل رحمۃ اللہ علیہ کے اس رسالے کو قابل قدر اور لائق توجہ بتایا ہے اور ان کی تحقیق کے منصفانہ انداز کا اعتراف کیا ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی جیسے اقدامات کرنے پر آج کل جو حکومتیں مجبوری میں، تو اس کے معاشرتی و اقتصادی اساتھ ہیں، اور اس زمانے میں کوئی بھی حکومت ان امور میں اپنے عوام کی خلاف و مہمود کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔ واقعہ یہ ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کا مسئلہ خالص معاشرتی و اقتصادی مسئلہ ہے، اور جیسا کہ مولانا مفتی عین الرحمن صاحب عثمنی نے فرمایا ہے: ”اچھا ہوتا کہ یہ مسئلہ سماجی اور معاشرتی حدود ہی میں رہتا اور اس پر اسی نقطہ فکر سے غور کیا جائے۔“ نیز یہ کہ اس مسئلہ کو غیر معمولی حالات نے پیدا کیا ہے۔ اس کا اعلوٰ عالم حالات سے نہیں ہے۔ لیکن چونکہ بھول مفتی صاحب اپنے عالم طور پر سماجی اور معاشرتی مسائل کو بھی مذہب کے پہلے سے ناپہنچ کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ پر مذہب کی چاہ پ غالب آئی (اور اس) مسئلہ نے مذہبی بحث و جدل کی شکل اختیار کر لی اور عالم مسلمان طرح طرح کی غلط نہیں ہیں مبتلا ہو گئے۔“

لتوحات کی بات یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں جیسا کہ اور آج کہا ہے خاندانی منصوبہ بندی کے جواز اور ضبط و لادت کے اقدامات کے لئے ”رخصت“ کے لئے پوری گنجائش موجود ہے۔ لیکن اس کے باوجود بعض جماعتیں نے اس مسئلے کی آزادی کے پورے ملک میں ایک ہنگامہ برپا کر رکھا ہے اور وہ خاندانی منصوبہ بندی کے خلاف یوں میخار کرنے میں مصروف ہیں جیسے ملک پر کسی بیرون دشمن نے چڑھائی کر دی ہو۔

اس شخص میں ایک جماعت کے امیر نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر رسول اکرم علیہ السلام اس دور میں ہوتے تو وہ خاندانی منصوبہ بندی کے خلاف یوں جہاد فرماتے، جیسا آپ نے شرک کے خلاف جہاد فرمایا تھا۔ ہم ان جماعتوں اور اپنے دوسرے بزرگوں کی خدمت میں عرضی کریں گے کہ وہ اس رسالہ کا جس کام ہم نے اور پر کی سفر میں ذکر کیا ہے، مطالعہ کریں اور انسان سے کام لیں اور سوچیں کہ وہ راہ اعتدال سے کتنی دُور پڑے گا ہیں۔ دنیا کے ہر حصے میں بڑے بڑے ممتاز علماء اسلام نے بغیر معمون سرعت سے بڑھنے والی آبادی کی وجہ سے جو معاشی اور معاشرتی مسائل حکومتوں کو درپیش ہیں، ان سے عمدہ برآ ہونے کے لئے آبادی کو ایک حد تک رکھنے کی فاطر ضبط و لادت کو شرعاً جائز بتایا ہے۔ آخر اس شرعی گنجائش سے کیوں نہ فائدہ اٹھایا جائے۔